ڈاکٹر نقیب احمد جآن

استاد شعبہ اردو، ویمن یونیورسٹی، صوابی

ڈاکٹر منزہ مبین

صدرِ شعبہ اردو، ویمن یونیورسٹی، صوابی

ٹالسٹائی کی منتخب کہانیوں میں فکری سطح پر معاصر روسی تمدن کی بازیافت

Glimpses of the contemporary Russian Culture Ideality in Short Stories of Talistae

Literature reflects life. Every writer is affected directly or indirectly by his/her culture, surroundings, contemporary traditions and social norms which reflect in his/her creative writings. Storytelling and story writing remained an art from the pre-historic era and with the passage of time the interest of human beings in story has not vanished rather it has augmented and has taken different shapes and forms. Story is the innate need and interest of mankind and they love to hear stories since their early days. Short story is a form of literature which appeals to this very aesthetic sense. With the gradual development of literature, the art of the story writing got much refined and it is no more an art of narration rather it has adopted a full fledge form of practice in art and literature. The modern story writers develop thematic writings for wellbeing of the society.

Key Words: *Talistae, Short Story, Russia, Culture, Translations.*

ادب زندگی کا ترجمان اور ادیب معاشرے کا شاہد و ناقد ہوتا ہے۔ ہر ادیب کی تخلیقات میں اس کے معاصر تہذیب و تمدن اور معاشرت کا عکس نظر آتا ہے۔ کہانی کار افسانوی انداز میں اپنے معاصر معاشرے اور تمدن کے عکس کو اپنے قاری کے سامنے رکھتا ہے۔ تخیل کی آمیزش سے حقیقت کو قاری کے ذوقِ نظر کے مطابق ڈھال کر اسے اس کے لیے قابلِ مطالعہ بناتا ہے اور نہایت چابک دستی سے اس میں اپنی رائے سمو کر قاری کو اپنا ہمنوا بنانے کی سعی کرتا ہے۔ جو ادیب اپنی اس سعی میں کامیاب ٹھہرتا ہے اس کی تخلیقات کلاسیک کا درجہ پا لیتی ہیں۔ نہ صرف یہ

کہ وہ اپنے معاصر تہذیب و تمدن کا خاکہ پیش کرتی ہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ آنے والے ادوار میں بھی اسی طرح کی اہمیت و افادیت کی حامل ٹھہرتی ہیں اور آنے والی نسلوں کے لیے مشعل راہ بن جاتی ہیں۔

یہ امر دلچسپی سے خالی نہیں کہ روس کے چار مشہور ادیبوں گوگول، ترگنیف، دوستوفسکی، ٹالسٹائی نے اپنے ادبی سفر کا آغاز مختصر کہانیوں سے کیا اور اس صنف میں انہوں نے بیش بہا اضافے بھی کیے۔ ٹالسٹائی صرف روس ہی نہیں بلکہ عالمی ادبیات میں اپنی تخلیقات اور تنقیدی نظریات کی بدولت امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے افسانے اور ناول بین الاقوامی شہرت حاصل کر چکے ہیں اور آج تک ان کی مقبولیت میں فرق نہیں پڑا ہے۔ ٹالسٹائی ایسے فن کو پسند کرتا تھا جو انسان دوستی، محبت، ایثار اور دیگر اخلاقی خصوصیات کا ترجمان ہو کیونکہ اخلاقی قواعد و ضوابط کی عملی ضرورت خواہشات کے تصادم سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ تصادم نہ صرف فرد بلکہ مختلف افراد و اقوام میں بھی پیدا ہو سکتا ہے۔ ٹالسٹائی اپنی ادبی زندگی کے آخری زمانے تک کہانیاں لکھتا رہا لیکن ابتدائی دور کی کہانیوں اور خاکوں کی خاص اہمیت ہے۔ اس تاثراتی دور سے گزر جانے کے بعد زندگی کے تجربوں اور مشاہدوں اور حیات و کائنات کے مسائل پر غور و فکر سے اس کے ادبی نظریات بدلنے لگے۔ بقول ڈاکٹر محمد یسین "عالمی ادب کے صف اول کے تخلیقی فنکاروں میں ٹالسٹائی کا نام نہایت احترام کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ اس کا شمار سرزمین روس کے ان مایہ ناز مشاہیر میں کیا جاتا ہے جنہوں نے صنف افسانہ کو معراج کمال تک پہنچایا ہے۔"[1] ٹالسٹائی کی ادبی زندگی میں ذہنی جودت اور تخلیقی اپج کے علاوہ مشاہدے اور مطالعے کا خاص حصہ ہے۔ بچپن ہی سے اسے روسی عوامی کہانیوں اور انجیل کے قصوں سے خاص دلچسپی تھی۔ علاوہ ازیں وہ پریوں کی کہانیوں اور الف لیلہ و داستان امیر حمزہ قسم کی کہانیوں سے بھی اثرات قبول کرتا رہا ہے۔ زیر نظر مقالہ میں ٹالسٹائی کی منتخب کہانیوں میں فکری سطح پر معاصر روسی تمدن کا تجزیہ پیش کیا جا رہا ہے۔

۱۸۵۹ء میں "گھریلو مسرت" کے عنوان کے تحت ایک کہانی لکھی۔ یہ ایک رومانوی کہانی ہے جس میں عورت کی نفسیات کا گہرائی سے مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ اس کہانی کی مرکزی کردار ماشا جس کا اصل نام "ماریا الیکساندورنا" ہوتا ہے اپنی والدہ کی اچانک وفات کے بعد زندگی سے بہت مایوس ہو جاتی ہے۔ اس کی والدہ نے وعدہ کیا تھا کہ جب ماشا اٹھارہ سال کی ہو جائے گی تو وہ شہر جائیں گے۔ یوں والدہ کی اچانک وفات کے بعد اس کے شہر جانے، رنگارنگی اور بڑی سوسائٹی میں گھومنے پھرنے کے خواب ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں۔ ان سب کے باوجود ماشا اپنی اتالیق

کاتیا کے ساتھ مل کر چھوٹی بہن سونیا کی نگہداشت و دیکھ بھال میں منہمک ہونے کی ناکام کوشش کرتی ہے۔ماشا کی نفسیاتی صورتحال کا بعنیہ اندازہ زیر نظر اقتباس سے ہو جاتا ہے۔

مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں تمام عمر خدائی کے پچھواڑے اسی گاؤں میں پڑی سڑا کروں گی اور اسی بے اُمیدا کتاہٹ اور افسردگی کے عالم میں زندگی گزار دوں گی جس سے نکلنے کی نہ تو مجھ میں طاقت۔۔۔۔[۲]

ماشا کی زندگی میں تغیر و تبدل اس دن آتا ہے جب اس کے والد کے قریبی دوست ''سرگئی میخالووچ '' تین سال بعد ان کے گھر آتے ہیں اور ان کی صحبت سے ماشا کی زندگی میں رنگ بھرنے لگتے ہیں۔ماشا کو سرگئی میخالووچ سے محبت ہو جاتی ہے اور مشرقی لڑکیوں کی طرح اظہار محبت میں ہچکچاتی ہے۔دوسری جانب سرگئی میخالووچ بھی ماشا کی محبت میں گرفتار ہو جاتے ہیں لیکن عمروں کے وسیع تفاوت کی بناء پر اظہار میں پس و پیش سے کام لیتے ہیں اور ماشا سے دور جانے کی ٹھان لیتے ہیں۔ایسی صورتحال میں ماشا کے اظہار محبت سے وہ حیران رہ جاتے ہیں اور دونوں ہنسی خوشی ازدواجی زندگی کا آغاز کرتے ہیں۔سرگئی میخالووچ ایک زیرک اور سمجھ دار انسان ہوتے ہیں اسی لئے انہوں نے اپنے تعلق میں کبھی زور زبردستی کو حاوی نہیں ہونے دیا۔وہ ماشا کی خواہشات کا بہت احترام کرتے ہوئے اسے شہری زندگی کی رنگینوں میں لے جاتے ہیں اور سرگئی میخالووچ یہ بخوبی سمجھتے ہیں کہ یہ مصنوعی پن انسان کی حقیقی خوشیاں چھین لیتا ہے۔ماشا جب اس سوسائٹی کا حصہ بننے لگتی ہے تو سرگئی میخالووچ بہت اداس ہو جاتے ہیں۔ٹالسٹائی نے یہاں رشک و حسد جیسے بنیادی جذبے کا ذکر کیا ہے جو مشرق و مغرب میں یکساں پایا جاتا ہے۔سرگئی میخالووچ اپنی بیوی کو غیر مردوں کی ہوس بھری نظروں سے بچانا چاہتا تھا۔جب وہ باز نہ آئی تو انہوں نے ماشا کو آزادی دی کہ وہ اپنے تجربات کی بنیاد پر جو سیکھے گی وہ صرف کہی سنی باتوں سے نہیں سیکھ پائے گی۔مثلاً وہ ایک مقام پر کہتے ہیں کہ:

ہم سب اور خاص طور پر تم عورتوں کے لئے زندگی کا اصلی روپ دیکھنے کے لئے پہلے زندگی کے سطحی پہلو سے آشنا ہونا ضروری ہے۔اور ہم میں سے کوئی بھی دوسروں کے تجربوں سے فیض نہیں اٹھا سکتا۔[۳]

اس کہانی ''گھریلو مسرت'' میں گھریلو مسائل پر قلم اٹھایا گیا ہے کہ کس طرح چھوٹی چھوٹی باتوں پر انسان غلط فہمی کا شکار ہو جاتا ہے۔اور ساری زندگی اس کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔سب سے اہم بات افہام و تفہیم ہوتی ہے کوئی بھی بات ہو کوئی بھی معاملہ ہو لیکن متعلقہ فرد کے ساتھ بات کرنے کے بجائے اگر اپنے ذہن میں جو بات آجاتی ہے

اس کو بنیاد بنا کر انسان غلط فہمی کا شکار ہو جاتا ہے تو اس سے گھر کے گھر برباد ہو جاتے ہیں۔ کوئی بھی غلط فہمی ہونے کی صورت میں اس کو خوش اسلوبی سے رفع کرنے کا واحد راستہ افہام و تفہیم ہے۔ اس کے علاوہ محبت کے مختلف مدارج پر بھی روشنی ڈالی ہے کہ ہر عہد کی محبت الگ الگ ہوتی ہے جس طرح وقت کے ساتھ ساتھ خیالات میں تبدیلی واقع ہوتی ہے اس طرح اس جذبے میں بھی تغیرات آتے رہتے ہیں۔ جوانی کی محبت میں جوش و خروش اور جذبات کا بے ہنگم زور ہوتا ہے۔ ادھیڑ عمری کی محبت میں ایک رکھ رکھاؤ آجاتا ہے۔ بچپن کی محبتیں خالص اور معصوم ہوتی ہیں۔ اس طرح بچپن میں خیالات ناپختہ اور جوانی میں جوش اور جذبے سے بھرپور ہوتے ہیں۔ ادھیڑ عمری میں خیالات میں بھی ایک رکھ رکھاؤ اور سلیقہ آجاتا ہے اور پھر بڑھاپے کی دہلیز پر خیالات میں دانشمندی اور سوچ و بچار کا عنصر بھی آجاتا ہے۔ اس کہانی گھریلو محبت میں انہوں نے ان انسانی جذبوں کے حوالے سے اپنے خیالات واحساسات کو فکشن کے لبادے میں پیش کیا ہے۔

روس کے سیاسی و تہذیبی طرز فکر کی نمائندہ ٹالسٹائی کی ایک اور کہانی "گھوڑے کی آپ بیتی" ہے جو اس نے ١٨٦٠ء کے لگ بھگ لکھنی شروع کی اور ١٨٨٥ء میں ختم ہوئی۔ اس کہانی کا مرکزی خیال ایک اور روسی مصنف "استاخوچ" سے اخذ کیا گیا ہے۔ جس نے گھوڑوں کے متعلق دو مقبول کہانیاں لکھیں اور ٹالسٹائی نے ادبی اخلاقی جرات کا مظاہرہ کرتے ہوتے ہوئے ان کا پوراحوالہ بھی دیا ہے۔ زیر نظر کہانی کے مرکزی کردار "ابلق گھوڑا" سرنگ گھوڑی" اور "نیسٹر" (گلہ بان) ہیں۔ کہانی کا مرکز و محور ابلق کی زندگی کا نشیب و فراز ہے۔ اس اتار چڑھاؤ کی بناء پر نامناسب حالات و واقعات، مظالم، تلخ رویے جو خرید و فروخت کی وجہ سے ابلق نے سہے وہ تاحیات اس کے دل پر آبلے کی مانند رہے تھے۔ ابلق کو ٹالسٹائی نے ظلم و ستم کے استعارہ کے طور پر پیش کیا ہے۔ جب ابلق بوڑھا ہوتا ہے تو اس کو دیگر ساتھی مذاق کا نشانہ بناتے ہیں اور اسی سبب وہ سب سے الگ تھلگ رہنے لگتا ہے۔ مثلا

> بڑھاپا بعض دفعہ بہت شاندار ہوتا ہے 'بعض اوقات گھناؤنا اور بعض مرتبہ قابل رحم۔
> اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ شاندار اور گھناؤنا دونوں ہی ہو۔ اس ابلق گھوڑے کا
> بڑھاپا اسی نوعیت کا تھا۔"[٤]

اس آپ بیتی میں روس کے سیاسی حالات کا بخوبی عکس دیکھا جا سکتا ہے۔ گھوڑے کی زبانی ٹالسٹائی نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ روسی عوام کے جذبات کا اظہار ہے جہاں انقلاب سے قبل عام انسان کی یہی زندگی تھی۔ یہ اس معاشرے کی نحیف سی آواز ہے جو انسانیت کے اوج کمال پر ہونے کے بجائے اس کے مادیت پسند ہونے پر

دلالت کرتی ہے۔یہ دنیا بہت ظالم ہے اور مادیت پرستانہ ذہنیت کی حامل نسلوں میں انسانی جذبات و احساسات کا فقدان ہو گیا ہے۔مادہ پرستوں کا دین ایمان اپنا فائدہ اور اپنے مفاد ہوتے ہیں۔ جب تک انہیں کسی فرد میں اپنے مفاد اور فائدے کا پہلو نظر آتا ہے اس کی قدر و تعظیم کرتے ہیں۔ جب انہیں یقین ہوتا ہے کہ اب یہ اس قابل نہیں رہا کہ اس سے کوئی فائدہ اٹھایا جائے یا پھر وہ ان کے مفاد کے لیے کچھ کرنے کے قابل نہیں رہا تو نہ صرف یہ کہ اس کی قدر و منزلت ختم ہو جاتی ہے بلکہ اس کو تحقیر و تذلیل کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ انسانی نفسیات کے تناظر میں روسی معاشرے میں پوری دنیا کے تمام اقوام کی سوچ کے مصداق روسی معاشرے میں جو سوچ پنپ رہی تھی نہایت دل نشین انداز میں اس کہانی میں ٹالسٹائی نے اس کو موضوع بنایا ہے۔

اسی طرح ان کی ایک اور معروف کہانی ''کریتزر سوناٹا'' جو کہ روسی معاشرت کی عکاس سمجھی جاتی ہے ۱۸۹۱ء میں شائع ہوئی تھی۔اس کہانی کی ابتداء ٹرین سے ہوتی ہے جس میں راوی سوار ہوتا ہے اور تمام کہانی راوی بیان کرتا ہے۔ کہانی کی ابتدا یعنی سرورق پر مصنف نے لکھا ہے کہ ''لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ ہر وہ شخص جو کسی عورت کو بری نظر سے دیکھتا ہے، دل ہی دل میں اس کے ساتھ زنا کا مرتکب ہوتا ہے۔'' اس کہانی میں روسی اور یورپی معاشرے کی بھرپور عکاسی کی گئی ہے مثلاً دوران سفر ٹرین میں جو موضوعات بیان کیے گئے ہیں ان میں جدید تعلیم کے فوائد و نقصانات، مغرب میں ازدواجی زندگی کی خرابیاں، عورتوں کی سماجی حیثیت و حقوق پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔زیر نظر افسانہ میں جابجا ایسے بیانات دیے گئے جن سے مغربی طرز معاشرت کی اور اس کی خرابیوں کے بموجب پیدا ہونے والے حالات کی جھلک واضح نظر آتی ہے مثلاً ایک مقام پر طلاق کے متعلق لکھا ہے کہ:

> طلاق کا مسئلہ یورپ میں لوگوں کے دل و دماغ پر چھایا ہوا ہے اور روس میں طلاق روزافزوں عام ہوتی جارہی ہے۔۔۔کیونکہ شروع ہی سے عورتوں کو ڈھیل دینا ٹھیک نہیں ہے۔چراہ گاہ میں گھوڑے پر اور گھر میں عورت پر اعتماد نہ کرنا چاہیے۔ہاں، ہاں صنف نازک کو شروع ہی سے کس کر رکھنے کی ضرورت ہے ورنہ سب کچھ چوپٹ ہو جاتا ہے۔''(۵)

طلاق ناپسندیدہ کاموں میں سے ایک تصور ہوتا تھا لیکن جدید دور میں اس کو اتنا قابل نفرت نہیں سمجھا جاتا۔ پھر بھی اس کا ایک منفی پہلو یہ ہے کہ جب تک بیوی کو چاہا پاس رکھا اور جب دل بھر گیا تو طلاق دے دی۔ اس تناظر میں دیکھیں تو طلاق عورت کے حوالے سے انتہائی ناپسندیدہ عمل ہے۔ لیکن بیوی کو طلاق نہ دے کر اس کا

استحصال کرنا بھی ٹھیک نہیں۔ یوں ہم دیکھتے ہیں کہ بنیادی طور پر بیوی ایک مفید گھریلو جانور بن کر رہ جاتی ہے۔ کہ اس کو محبت اور توجہ تو نہیں ملتی لیکن طلاق دے کر اسے آزاد بھی نہیں کیا جاتا کہ جہاں چاہے زندگی گزارے۔ اس طرح کے استحصال سے بہتر ہے طلاق ہی دی جائے۔ دوسری طرف دیکھا جائے تو عورتوں کی آزادی نے کئی حوالوں سے شادی کے لئے مشکلات پیدا کر دی ہیں۔ پھر آزادی کے پس منظر میں پیدا ہونے والی ان مشکلات کے لیے تعلیم اور روشن خیالی کو ذمہ دار ٹھہرایا جاتا ہے۔ اسی تناظر میں تعلیم اور بالخصوص عورتوں کی تعلیم کے حوالے سے ٹرین میں سفر کرنے والے بزرگ نے اپنے جذبات کا اظہار کچھ اس انداز سے کیا کہ:

> آج کل لوگ ضرورت سے زیادہ تعلیم یافتہ ہو گئے ہیں۔۔۔۔ تعلیم سے حماقت کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہوتا ہے۔ عورتوں کی تعلیم ہمیشہ اسی رویے کے مطابق ہو گی جو مردوں کا ان کی طرف ہے۔ (٦)

روایتی اخلاق کے احیا کے لئے یہ لازم ہے کہ لڑکیوں کی تعلیم ایسی ہو کہ جو انہیں احمق، توہم پرست اور جاہل بنا سکے۔ عورت کو مرد نے ہمیشہ سے اپنا محکوم تصور کیا ہے اور وہ اس کو اپنے اختیار میں رکھنا چاہتا ہے۔ اس مقصد کے لیے لازم ہے کہ عورت کو جاہل رکھا جائے کیونکہ تعلیم روشنی ہے اس سے انسان کو اپنے حقوق کا شعور آ جاتا ہے۔ وہ اپنے حق کے لیے آواز بلند کرنے کی جرأت پا لیتا ہے۔ جب کہ پدرسری معاشرے میں مرد کبھی یہ نہیں چاہتا کہ عورت اس کے برابر کھڑا ہو کے اپنے حقوق کے لیے آواز بلند کرے۔ اس وجہ سے ہمیشہ عورتوں کو ان پڑھ، جاہل اور اس کے نتیجے میں توہم پرست رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کیونکہ اس طرح ان میں وہ جرأت نہیں پنپتی کہ مردوں کے مقابل کھڑی ہو سکیں۔ ٹالسٹائی عورتوں کی اس مرد ساختہ سماجی حیثیت کے متعلق ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ:

> عورت کی غلامی اس چیز میں مضمر ہے کہ مردوں کو اسے اپنے حظ نفس کی خاطر استعمال کرنے کی خواہش ہے اور وہ اسے جائز اور اچھی بات سمجھتے ہیں۔ سو ہوتا یہ ہے کہ وہ عورت کو آزادی عطا کرتے ہیں 'اسے مردوں کے برابر حقوق دیتے ہیں' مگر سمجھتے اسے وسیلہ تفریح ہی ہیں۔ وہ بچپن ہی سے اسے یہ تربیت دیتے ہیں اور رائے عامہ کے ذریعے بھی یہی سکھاتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ عورت اب بھی اس طرح پیچ، ذلیل اور شہوت پرست غلام ہے اور مرد اسی طرح شہوت پرست اور بدکار آقا۔"(٧)

ٹالسٹائی اگرچہ نسائی ادیب نہیں ہیں لیکن پھر بھی ان کے ہاں عورتوں کی زندگی سے جڑے مسائل کا بیان موثر انداز میں ملتا ہے۔ان کے افسانوں میں ایسی عورتوں کا ذکر بھی ملتا ہے جن سے سماج نفرت کرتا ہے۔انہوں نے عورت کے مختلف روپ کی عکاسی متضاد اور مختلف زاویوں سے کی ہے۔عام طور پر مرد عورت کو اپنا محکوم، تابع اور حقیر و کمزور سمجھ کر اس کا حق چھیننے کی کوشش کرتے ہیں۔اور اسی وجہ سے عورت نفسیاتی، جنسی، عقلی، طبقاتی اور نسلی بنیادوں پر استحصال کا شکار ہوتی رہتی ہے۔مرد کے ذہن میں جو عورت کا تصور و تصویر ہے وہ اس کو اسی شکل میں دیکھنا چاہتا ہے۔جب کے درحقیقت دونوں جنسوں کے درمیان سوائے جسمانی ساخت کے سب صلاحیتیں اوراوصاف مساوی ہیں۔اس صورتحال کو تانیثیت کی تحریک نے تقویت بخشی۔اس حوالے سے عتیق اللہ لکھتے ہیں کہ ''تانیثیت کا موقف اس عورت کو Deconstruct کرنا ہے۔جو اپنی ذات ہی سے بے خبر نہیں تھی بلکہ اس سماجی تہذیبی منظر نامے سے بھی نابلد تھی جس کے جبر نے اسے مجہول حقیقت میں بدل کر رکھ دیا تھا۔''٨ ایسی کہانیوں کو پڑھ کر کراہت و ناگواریت کا احساس پیدا ہوتا ہے۔اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ٹالسٹائی نے شعوری طور پر ایسا انداز اختیار کیا ہے۔

اسی طرح ١٩٠٣ء میں ''رقص کے بعد'' ٹالسٹائی کی ایک ایسی شاندار کہانی ہے جس میں نہ صرف روس بلکہ تمام مغربی عسکری طاقتوں کے پس منظر و پیش منظر کا واضح عکس ملتا ہے۔کیسے فوج میں سپاہیوں کو سخت سزائیں دی جاتی ہیں اور صفوں کے درمیان ہنکا کر پیٹا جاتا ہے۔ٹالسٹائی ہر قسم کی جنگ کی مذمت کرتا ہے جس میں فساد و انتشار برپا ہو۔اس کہانی کا موضوع خیر وشر کے درمیان کشمکش کا بیان ہے۔اچھائی اور برائی کے درمیان یہ کشمکش روزِ ازل سے ہی جاری ہے اور جب تک یہ دنیا قائم ہے اسی کشمکش کا عمل دخل یہاں پر رہے گا۔اچھائی اور برائی کا تصور ہر جگہ الگ الگ ہوتا ہے۔ہر کوئی اپنی سمجھ بوجھ اور سوچ کے مطابق اچھائی برائی کی تعریف کرتا ہے۔کسی کے ہاں یہ اوصاف فطری اور پیدائشی ہوتے ہیں اور کچھ کہتے ہیں کہ نہیں یہ پیدائشی اوصاف نہیں بلکہ ماحول انسان کو اچھا یا برا بنا دیتا ہے یعنی ہر انسان اپنے ماحول، تربیت اور صحبت کی اثر سے اچھا یا برا بنتا ہے۔اس خیال کو کہ کیا کوئی انسان پیدائشی اچھا یا برا ہوتا ہے یا پھر ماحول و تربیت کا اثر اسے اچھا یا برا بناتا ہے ایک شخص ''ایوان واسی لئیووچ'' نے اپنی داستان سنا کر بیان کیا تھا۔

> کسی تاتاری کو بھاگنے کی سزا دے رہے ہیں۔۔۔۔یہ ایک آدمی تھا جو کمر تک ننگا تھا۔قیدی کا پورا جسم تشنجی انداز سے پھڑک رہا تھا۔ہر وار پر قیدی اپنا دکھ اور کرب

> سے بگڑا ہوا چہرہ اسی طرف اٹھاتا تھا جدھر سے وار ہوتا تھا' گویا زبان حال سے اظہار حیرت کر رہا ہو۔۔۔۔وار خالی گیا؟ اچھا میں تجھے مزا چکھاتا ہوں!۔۔۔۔کرنل کی غضبناک آواز سنی۔لے اور لے!'' اس کمزور اور منحنی سے سپاہی کے منہ پر زور کے کئی تھپڑ رسید کیے کیونکہ اس سپاہی کا ڈنڈا تاتاری کی سرخ کمر پر کافی سختی سے نہیں پڑا تھا۔۔۔نیا ڈنڈا لاؤ!' کرنل نے حکم دیا۔۔۔۔(٩)

متذکرہ بالا اقتباس ماضی کی ساحرانہ قوت کے بھید بھاؤ جیسا ہے کہ اس کی ساکن اور خاموش تصویروں کی دلکشی خزاں کے آخری ایام جیسی ہیں۔ماضی بدلتا ہے اور نہ ہی مقابلہ کرتا ہے۔اس کی لہریں زندگی کی بے معنی چیزوں کو بہا کر لے جاتی ہیں۔ہاں جو حسین اور ابدی یادیں ہوں وہ چمکتے ستاروں کی مانند باقی رہ جاتی ہیں۔''رقص کے بعد'' کا موضوع ایوان واسی لئیوچ اور اس کی محبوبہ وارنکا کی محبت کی داستان ہے کیونگورنز کی طرف سے ایک محفل رقص منعقد کی جاتی ہے۔ہر شخص ''وارنکا'' کی خوبصورت شخصیت کی داد دیتے تھکتا نہیں تھا۔ایوان واسی نے بتایا کہ وہ اور وارنکا دونوں رقص کرنے میں مگن تھے اور دنیا سے بے خبر ایک دوسرے کی چاہت میں دیوانے ہوئے جا رہے تھے کہ گویا ہوا میں اڑ رہے ہوں۔سامعین میں سے ایک لڑکے نے جملہ کسا کہ یہ ناممکن ہے کہ آپ دونوں کو جسموں کی ہوش نہ ہو اور تخیل میں کھو گئے ہوں تو ایوان اس کی بات کا جواب کچھ اس طرح سے دیتا ہے کہ:

> یہ بات تم نئی پود کے نوجوانوں پر صادق آتی ہے۔تم لوگوں کو جسم کے سوا اور کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ہمارے زمانے میں یہ بات نہیں تھی۔مجھے جس لڑکی سے جتنی زیادہ گہری محبت ہوتی تھی میرے نزدیک وہ اتنی ہی زیادہ آسمانی مخلوق بن جاتی تھی۔تم لوگوں کو بس ٹانگوں اور پنڈلیوں اور اس قسم کی دوسری چیزوں کا احساس ہے' تم تو تخیل میں اپنی محبوباؤں کے جسم کے کپڑے اتار ڈالتے ہو۔ہم لوگ تو حضرت نوح کے نیک بیٹے کی طرح عریانی کو نمایاں کرنے کے بجائے اس کی پردہ پوشی کی کوشش کرتے تھے لیکن تم بھلا یہ بات کیسے سمجھ سکتے ہو!(١٠)

ٹالسٹائی کی کہانی ''دوگسار'' ١٨٥٦ء میں منظر عام پر آئی جو کہ بہت عمدہ کہانی ہے۔اس میں روس کے ماحول کی بہترین عکاسی کی گئی ہے۔یہ کہانی ٹالسٹائی نے انیسویں صدی میں تحریر کی جو کہ در حقیقت بیسویں صدی کی بہترین ترجمان ہے۔یہ ''کاؤنٹ توربین'' نامی شخص کی کہانی ہے جو متضاد شخصیت کا مالک ہے۔حالات و واقعات

کے مطابق اس کے رویے میں بدلاؤ ایسے نمایاں نظر آتے ہیں کہ گویا وہ اس کی شخصیت کا خاصہ ہیں۔ کاؤنٹ ماحول کے مناسبت سے اپنا رویہ ایسے تبدیل کرلیتا ہے کہ لوگ اس کے متعلق حتمی رائے دینے سے قاصر ہیں۔ کہیں وہ ظالم ہے تو کہیں وہ مظلوم، کہیں اس کے جیسا رحمدل انسان نہیں، کہیں اس جیسا سنگ دل نظر نہیں آتا ہے۔ ٹالسٹائی کے کرداروں کے حوالے سے ظ۔انصاری کے ایک بیان کا مفہوم کچھ اس طرح سے ہے کہ "ٹالسٹائی اور پریم چند کے ہیرو کا قلب ماہیت (ہروے پری ورتن) ہو جاتا ہے اور وہ شر سے ایکدم خیر کا مجسمہ بن جاتے ہیں۔ حالات کی تبدیلی کے ساتھ خود کو بعض اوقات بدل لیتے ہیں اور بعض اوقات نہیں۔"[11] ٹالسٹائی نے اس میں ایک ایسے شخص کی نفسیات کو موضوع بنایا ہے جو اپنے مقاصد کے حصول کی خاطر کسی بھی حد تک جانے میں عار محسوس نہیں کرتا ہے۔ دوسری جانب مصنف نے محبت کے جذبے کی بھی اہمیت اجاگر کی ہے کہ کس طرح ادھوری محبت اپنا اثر دکھاتی ہے۔ کاؤنٹ توربین ایک بیوہ عورت آننا فیودروونا کے عشق میں مبتلا ہوتا ہے جس کی ایک بیٹی "لیزا" بھی ہوتی ہے۔ بعض وجوہات کی بناء پر کاؤنٹ اپنی محبت کے حصول میں ناکام نظر آتا ہے۔ اسی طرح کاؤنٹ کا بیٹا اس عورت کی بیٹی کے عشق میں گرفتار ہو جاتا ہے اور آخر میں باپ کی طرح ادھوری محبت اس کا مقدر ٹھہر جاتی ہے۔

ٹالسٹائی کی کہانی "شراب اور شیطان" بہت معنی خیز کہانی ہے۔ جب انسان کے پاس کچھ نہیں ہوتا تو وہ صبر وسکون سے کام لیتا ہے۔ لیکن یونہی جب ضرورت سے زیادہ ہوا تو وہ فورا گناہ اور عصیان میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ کسان اپنا کھانا گم ہونے پر بھی صبر وسکون کا دامن نہیں چھوڑتا لیکن جب کسان کے پاس غلے کی کثرت ہو جاتی ہے تو فورا اس کا کردار تبدیل ہو جاتا ہے۔ صبر و توکل والا انسان جوش و توکل کو کام میں لاتا ہے۔ اس کی سادگی، معصیت اور سیاہ کاری کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ وہی شیطان جو غریب اور مفلس کسان کو گمراہ کرنے میں ناکام ہوا، کسان کے پاس ضرورت سے زیادہ غلہ جمع کر دیتا ہے۔ کسان اس غلہ کو غربا میں تقسیم کرنے کی جگہ اس سے شراب نکالتا ہے اور اپنے دوست احباب کو مدعو کرتا ہے۔ شراب پینے کے بعد تمام مے نوش ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے دکھائی دیتے ہیں مثلا:

> بوڑھا شیطان اپنے شاگرد سے دریافت کرتا ہے "شراب کی ایجاد خوب رہی۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم نے یہ شراب وحشیوں اور درندوں کے خون سے تیار کی ہے۔" شاگرد جواب میں ترغیب گناہ کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔ "نہیں استاد! اس

میں درندوں وغیرہ کا خون نہیں۔ میرے لئے سب سے ضروری چیز یہ تھی کہ کسان
کے پاس ضرورت سے زیادہ اناج ہو تو وہ خون اپنی اصلیت ظاہر کر دیتا ہے۔"[۱۲]

متذکرہ بالا کہانی کی طرح ٹالسٹائی کی ایک اور بہترین کہانی "تین سوال" ہے۔ اس کہانی میں قدیم طرز داستان کی جھلک نمایاں ہے۔ یہ ایک بادشاہ کے طرز فکر کی داستان ہے جو اپنے دور حکومت کو بے مثال بنانے کے لئے کوشاں ہے۔ اس کے ذہن میں تین سوالات ابھرتے ہیں اور پھر وہ ان کے مناسب جواب کا متلاشی ہوتا ہے۔ اپنی ریاست کے صاحب علم و فضل علماء و حکما، وزراء اور دانش مندوں سے رجوع کرتا ہے مگر حسب منشا جواب پانے سے قاصر نظر آتا ہے۔ یوں بادشاہ اپنی ریاست کے معروف درویش کے پاس بھیس بدل کر جواب تلاش کرنے نکلتا ہے۔ وہ سوالات اور ان کے جوابات درج ذیل ہیں مثلا

۱۔ کسی کام کو شروع کرنے کا موزون وقت کونسا ہے؟
۲۔ کن اشخاص سے صحبت رکھنی چاہیے اور کن سے پرہیز؟
۳۔ دنیا میں سب سے زیادہ اہم اور ضروری چیز کیا ہے؟

مندرجہ بالا سوالات کے جوابات درویش کچھ اسطرح سے دیتا ہے جو کہ بہت معنی خیز ہیں

۱۔ کسی خاص کام کے لئے صرف ایک ہی موزوں وقت ہوا کرتا ہے جبکہ ہم میں اتنی قوت ہوتی ہے کہ ہم اسے سر انجام دے سکیں۔
۲۔ سب سے ضروری اور اہم شخص وہی ہوتا ہے جس کے ساتھ تم اس وقت موجود ہو کیونکہ اس بات کا معلوم کرنا کہ اس شخص کے سوا تمہیں کسی اور سے بھی واسطہ پڑے گا، انسان کے وہم و قیاس سے بالا ہے۔
۳۔ سب سے ضروری اور اہم کام اس شخص سے نیکی کرنا ہے کیونکہ خدا نے انسان کو صرف اسی غرض کے لئے دنیا میں بھیجا ہے۔[۱۳]

کوئی بھی ادیب اپنے عہد کے حالات و واقعات سے انکار یا انحراف نہیں کر سکتا ہے۔ ٹالسٹائی کا احترام کرنے والے اور اس کی شخصیت سے متاثر ہونے والے چیخوف نے یہاں ٹالسٹائی کے متعلق اپنے تاثرات کی گہرائی کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

کیا دلچسپ انسان ہے۔ آپ ذرا اسے سمجھنے کی کوشش کر دیکھیے۔ عین ممکن ہے اسی میں
ڈوب جائیں۔ جیسے اتھاہ کنویں میں ڈوبتے ہیں۔۔۔۔ روحانی قوت کیا زبردست ہے اس

> سے باتیں کرنے میں یوں محسوس ہوتا ہے گویا آپ سراپا اس کے قبضہ قدرت میں ہیں۔میں آج تک کسی شخص سے نہیں ملا، جس میں ٹالسٹائی جیسی پرکشش اور یوں کہیے کہ ہم آہنگ، متناسب شخصیت ہو۔ٹالسٹائی اول تا آخر ہم آہنگی اور حسن ہے۔اس کے ساحرانہ روحانی وجود میں کوئی ایک بھی نقش، نہایت معمولی سامد بھی ایسا نہیں جو مکمل نہ ہو۔اس میں ہر شے قطعی، طے شدہ ،صاف اور سلجھی ہوئی ہے انتہا درجے کی۔۔۔۔یہ شخص تقریبا مکمل انسان ہے۔کوہ تا نظر نکتہ چیں مین میخ نکالتے ہیں کہ دورخا پن ہے۔کہتے ہیں گویا اس کی فطرت میں ایک تو ہے فنکار اور دوسرا ہے فلسفی۔اور دونوں ایک دوسرے سے دست و گریباں رہتے آئے ہیں۔کیا بکواس ہے!ٹالسٹائی اپنی فنکارانہ تحریروں میں اتنا ہی فلسفی ہے جتنا وہ فلسفے میں فنکار ہے یہ حیرت انگیز حد تک مکمل فطرت ہے۔[۱۴]

جس طرح ہر شے کا ایک مرکز ہوتا ہے اسی طرح روسی ادب کا مرکز ٹالسٹائی کہلاتا ہے۔ادیب اپنے معاشرے کا نباض ہوتا ہے اور روسی معاشرے کا نباض ٹالسٹائی ہے جس نے اپنی تخلیقات میں روسی معاشرے کو موضوع بنایا ہے۔اسی طرح وہ ایک زیرک اور صاحب بصیرت ادیب ہونے کے ناطے انسانی فطرت، عادات واطوار اور انسانی محسوسات کو زبان دینے کا خاصہ رکھتے ہیں۔ادب کا موضوع انسان کی ذات، اس کے جذبات واحساسات کی دنیا رہی ہے۔بحیثیتِ ادیب ٹالسٹائی نے اپنے اس فرض کو بخوبی نبھایا ہے۔یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ٹالسٹائی کو جو عہد میسر آیا وہ کرب، اضطراب، بے چینی، اندرونی و بیرونی خلفشار کا زمانہ تھا۔اور ادب کی تخلیق کے لیے ایسا ماحول اور ایسا زمانہ بہت زرخیز ہوتا ہے۔جب معاشرے میں بے یقینی، اضطراب اور خلفشار کا عمل دخل ہوتا ہے تو ادیب کو نئے نئے موضوعات ہاتھ آرہے ہوتے ہیں اور ہمیشہ سے اچھا ادب اسی طرح کے حالات وماحول میں تخلیق ہوتا رہا ہے۔انہی حالات سے نبرد آزما معاصر روسی تہذیب و تمدن، معاشرہ اور افراد معاشرہ اور اس معاشرے پر ان حالات کے پڑنے والے اثرات کو ٹالسٹائی نے بہت عمدہ انداز سے اپنی کہانیوں میں پیش کیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ محمد یسین، ڈاکٹر، ناول کا فن اور نظریہ، دارالنور، لاہور، ۲۰۱۳، ص ۱۴۳

٢۔ ٹالسٹائی، گھریلو مسرت، ٹالسٹائی کی کہانیاں، فکشن ہاؤس، لاہور، ٢٠١١، ص ١٣٣

٣۔ ایضاً، ص ٢٤٠

٤۔ ٹالسٹائی، گھوڑے کی آپ بیتی، ٹالسٹائی کی کہانیاں، فکشن ہاؤس، لاہور، ٢٠١١، ص ٨٨

٥۔ ٹالسٹائی، کریتزر سوناٹا، ٹالسٹائی کی کہانیاں، فکشن ہاؤس، لاہور، ٢٠١١، ص ٣٢٢۔٣٢٤

٦۔ ایضاً، ص ٣٢٢

٧۔ ایضاً، ص ٣٦١

٨۔ عتیق اللہ، تعصبات، ایم۔ آر۔ پبلیکیشنز، نئی دہلی، ٢٠٠٥، ص ٣١١

٩۔ یاسر حبیب، اردو ادب کے عالمی تراجم، رقص کے بعد، ٹالسٹائی، مترجم، صابرہ زیدی، حصہ اول، ١٥٧

١٠۔ یاسر حبیب، اردو ادب کے عالمی تراجم، مترجم، صابرہ زیدی، حصہ اول، ص ١٥٢

١١۔ ظ۔ انصاری، ڈاکٹر، انتون پاولووچ چخف کی زندگی اور فن کا مطالعہ، ترقی اردو بیورو نئی دہلی، ١٩٧٦ء، ص ١١٠

١٢۔ منٹو، سعادت حسن، روسی افسانے، دارالادب پنجاب، لاہور، ص ٦

١٣۔ ایضاً، ص ٣٢

١٤۔ ظ۔ انصاری، ڈاکٹر، انتون پاولووچ چخف کی زندگی اور فن کا مطالعہ، ترقی اردو بیورو نئی دہلی ١٩٧٦ء، ص ١٢٩۔١٢٩